آسیہ تبسم،(لیکچرار اردو)
گورنمنٹ ایسوسی ایٹ کالج فار ویمن شکر گڑھ

اردو ادب اور ہمارے معاشرے میں تانیثیت مخالف رویے

Abstract:
The term feminism came in Urdu literature from English. The feminism emphasis on equality of sexes. In our society and especially in Urdu literature, writers seen biased about equality of sexes. Society sets different standards for both male and female. Feminism is a behavior which identifies women as human being. In this article I tried to discuss the discrimination exists in our behaviors about women.
Keywords: Feminism, women, society, Urdu literature

تانیثیت کی اصطلاح انگریزی کی اصطلاح Feminism کا ترجمہ ہے بعض نے اسے نسائیت کہا اور بعض نے نسائی تنقید کہا۔

Merriam Webster Dictionary میں Feminism کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے:

* The belief that man and women should have equal rights and opportunities.
* Organized activity in support of women's rights and interests.
* The theory of the political, economic and social equality of the sexes.

تانیثیت سے مراد عورت کو شناخت کرنے کا رویہ ہے۔اردو ادب میں تانیثیت کی روایت سے قبل مغرب میں تانیثیت یا حقوق نسواں کی تحریک کی واضح شکل ۱۸۴۰ء میں دکھائی دیتی ہے۔ یہ تحریک مغرب سے آئی برصغیر میں کچھ حد تک اس کو قبول کر لیا گیا لیکن عوام اور ساتھ ہی ساتھ ادیبوں میں سے چند ایک اس کے بارے میں انتہائی خراب رائے رکھتے ہیں۔

اطالوی کہاوت ہے کہ ہم دنیا کو اپنی نظر سے اور عورت کو تعصب کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ عورت کی تخلیق اگرچہ قدرت کا بہت بڑا کمال ہے تاہم ہمارے معاشرے میں اس کے وجود کو بحیثیت انسان تسلیم کرنے پر بہت سے لوگوں کو اختلاف ہے۔ مرد کی برتری کا قصہ تو اسی دن سے شروع ہو گیا جب پہلے آدمؑ کو پیدا کیا گیا اور بعد میں اس کی

تنہائی بانٹنے کے لیے حوا کو پیدا کیا گیا۔ عورت کی تخلیق چونکہ مرد کے بعد ہوئی لہٰذا وہ کمتر اور محکوم ہے جب کہ مرد اعلیٰ اور افضل ہے۔

عورت اور مرد کے لیے دہرے اور ظالمانہ معیار قائم کرنا پدر سری نظام کا خاصہ ہے ہم اگرچہ اپنے آپ کو ترقی یافتہ اور متمدن ظاہر کرتے ہیں لیکن ہم کل بھی اسی نظام کے تحت زندہ تھے اور آج بھی اسی میں رہ رہے ہیں، ہمارے روایتی انداز میں اچھی عورت کو ہمیشہ قربانی کی مثال بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ تانیثیت کی مخالفت کرنے والوں پر یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ عورت مرد سے برابری کا حق نہیں مانگ رہی بلکہ وہ تو اپنے ہونے کا حق مانگتی ہے کیونکہ اس کی تمام قربانیوں کے بعد بھی اسے Acknowledge نہیں کیا جاتا۔

عورت کو انسانی وقار اور احترام سے یکسر عاری مخلوق سمجھا جاتا ہے، عورت سماج کی ایک ایسی اکائی ہے جو تذلیل کا شکار رہی ہے اور جب عورت مردوں کی بالادستی والے معاشرے میں ان کے طے کردہ روایتی اصولوں یا حدود سے تجاوز کرتی ہے تو وہ مرد اسے اپنی انا پر چوٹ تصور کرتے ہوئے بڑی سے بڑی سزا کا اعلان اس عورت کے لیے کرتا ہے۔

تانیثیت کا پرچار کرنے والے تو صرف اتنی مانگ کرتے ہیں کہ عورت کو بحیثیت انسان عزت و احترام دیا جائے مگر بد قسمتی سے کچھ نقادوں نے نسائی تنقید میں عورت کی ذات کا غلط شعور پیش کیا جس کی وجہ سے Feminist movement میں بہت سے مسائل پیدا ہوئے اور جن لوگوں نے تانیثی شعور کو واضح کرنے کی کوشش کی ان کے خلاف مزاحمت کی گئی عورتوں کی کردار کشی کی گئی ان کی زبان بندی کی گئی اور ان کی تحریروں پر پابندی بھی لگائی گئی، بہت سے لوگوں کو جلاوطن بھی کر دیا گیا لیکن ان سب مزاحمتوں کے باوجود یہ تحریک جاری رہی اور ایک عوامی تحریک بن گئی، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دور حاضر کی عورت میں اتنی ہمت ہے کہ وہ رکاوٹ، مزاحمت اور مخالفت کا سامنا کر سکے۔

تانیثیت مخالف رویوں میں ایک سب سے اہم رویہ یہ ہے کہ چونکہ یہ تحریک مغرب سے آئی ہے لہٰذا اس کا وجود آزاد ہے وہ اپنا انفرادی وجود رکھتی ہے اور مشرق کی عورت کو مغرب کی عورت کی تقلید کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے لیکن عورت چاہے مشرق کی ہو یا مغرب کی عورت تو عورت ہے۔ البتہ عورت مرد سے مختلف جذبات ضرور رکھتی ہے۔ وہ ایک الگ وجود رکھتی ہے اور اس وجہ سے وہ اپنے متعلق اور اس کائنات کے متعلق بھی سوچتی ہے وہ بھی ماحول کو سمجھنے کا شعور رکھتی ہے وہ اپنی آنکھوں سے دنیا کو دیکھنا چاہتی ہے۔ مشاہدہ کرنا چاہتی ہے۔ اپنی سوچ اور فہم کو

استعمال کرنا چاہتی ہے۔ مرد جو سمجھتے ہیں کہ عورت ایک ماتحت مخلوق ہے تو ایسا نہیں ہے ایسی عورت کو کشور ناہید میچور عورت کہتی ہیں:

''میچور عورت کی اپنی سوچ ہوتی ہے وہ خود کو مظلوم بنا کر بھی نہیں پیش کرتی اور وہ پاک باز نیک پروین کا رول بھی ادا نہیں کرتی''۔ (۱)

لیکن ہمارے معاشرے میں قدم قدم پر منافقانہ رویوں کو شہرت ہے اور ''میچور عورت'' کا تصور صرف کتابوں میں ہی باقی رہ جاتا ہے جو عورتیں حقیقت میں اس کے مطابق چلتی ہیں، ان پر تہذیب کی عائد کردہ پابندیاں رکاوٹ ہیں، ان عورتوں کو باغی قرار دے دیا جاتا ہے اور ان پر بد چلنی اور آوارہ ہونے کے الزامات لگائے جاتے ہیں یہاں تک کہا جاتا ہے کہ یہ عورتیں (میچور عورتیں) نہ اپنا گھر بساتی ہیں اور نہ کسی کا گھر بسنے دیتی ہیں۔ ہمارا معاشرہ نہ تو پوری طرح مذہب کے احکامات کو مانتا ہے اور نہ ہی انسانیت کی سطح پر سوچنے کے لیے آمادہ ہے۔ ہمارا مذہب عورت کا کچھ اور تصور پیش کرتا ہے اور ہماری تہذیب میں عورت کا الگ تصور ہے مزید یہ کہ ہمارے ادب میں عورت کے لیے الگ پیمانے موجود ہیں۔ ہمارا ادب عورت کو جب ماں کے طور پر پیش کرتا ہے تو وہ ایثار اور قربانی کے جذبے سے سرشار ہے، جب بہن کے طور پر عورت دکھائی جاتی ہے تو وہ بھائی کا خیال رکھنے والی، اس کے کپڑے دھونے والی، کھانا بنانے والی اور اپنی پسند کی چیز بھائی کے کے لیے بچا کر رکھنے والی کے طور پر سامنے آتی ہے۔ ہمارا معاشرہ عورت کو جب بیوی کے روپ میں دیکھتا ہے تو وہ اطاعت گزار، گھریلو اور اچھی خاتون خانہ ہے، کفایت شعار ہے، فرمان بردار ہے اور شوہر کی محبت اور دلچسپی کی خواہاں ہے۔ بیٹی کے طور پر ماں باپ کی فرمابردار، عاجز، شرمیلی اور ماں باپ کے تمام فیصلوں پر سر جھکانے والی دکھایا گیا ہے۔

انسان کی انفرادی شیخصیت بچپن ہی سے تشکیل پانے لگ جاتی ہے ماں باپ گھر خاندان کا ماحول، سہیلیوں کا حلقہ، معاشی حالات، مدرسہ کی فضا تعلیم کی نوعیت، واقعات و حادثات، معاشرہ کی روایات، ادب و سیاست سب انسان کی شخصیت میں حصہ لیتے ہیں، ہماری عورت بچپن سے لے کر جوانی کی جتنی بھی منازل طے کرتی ہے اس میں اس کے کندھوں پر ذمہ داریوں اور قربانیوں کا بوجھ تو ڈال دیا جاتا ہے مگر اس کی خدمات کا کوئی صلہ اسے نہیں دیا جاتا اور اگر دیا بھی جاتا ہے تو احساس دلا کر۔

تانیثیت مخالف ادیب عورت کی ترقی کے مثبت پہلوؤں سے زیادہ منفی پہلو سامنے لاتے ہوئے کچھ یوں کہتے ہیں:

"تاریخ میں جو اقوام تباہ ہو کر عبرت کا نشان ہمارے لیے چھوڑ گئی ہیں، وہ جن خرابیوں کا شکار ہوئیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ عورت کو اس کے صحیح مقام سے ہٹا کر غلط پوزیشن میں لا کر رکھا گیا، موجودہ تہذیب نے بھی عورت کے ساتھ شدید درجے کا ظالمانہ برتاؤ کیا ہے، اس تہذیب نے عورت کو ترقی، آزادی اور مساوات مرد و زن کی شراب پلا کر گھروں سے نکالا، حجاب پسندی سے آزاد کیا، متاع عصمت کی حفاظت سے فارغ کیا اور عالم مدہوشی میں اسے اقتصادی گاڑیوں میں قلی بنا کر جوت دیا۔

مساوات مرد و زن اور ترقی کے نعرے مرد کی کامیاب ساحری کے حربے ہیں جن کے طلسم میں گرفتار عورت تنخواہ کے بدلے میں ایکٹریس اور رقاصہ اور نائٹ کلبوں کی رونق ہی نہیں بنی بلکہ نرس، ایئر ہوسٹس، پرنسل سیکرٹری اور ٹائپسٹ کے قدرے شائستہ روپ میں اس نے اپنے آپ کو مردوں کی نگاہ حوس کی تسکین کا سامان بنا دیا، یعنی وہ محنت مزدوری بھی کرے اور مریضان جنست کے لیے وجہ تفریح بھی عورت کو جب گھر کی چار دیواری سے باہر نکالا گیا تو حجاب بندی کے بعد لباس بھی کوتاہ ہوتے ہوتے برائے نام حد تک چلے گئے"۔ (۲)

اس اقتباس کے لکھنے والے نے عورت کی غلط پوزیشن کی بات کرتے ہوئے وہ تمام باتیں تو گنوا دیں جن سے کسی بھی مرد کی انا کی تسکین ہو اور اس کی نام نہاد غیرت جاگ جائے مگر ان سب باتوں سے پردہ نہیں اٹھایا گیا جس کی وجہ سے یہ سارے حالات بنتے ہیں۔ سب سے پہلے تو یہ فیصلہ کیا جانا ضروری ہے کہ عورت کی صحیح پوزیشن کیا ہے؟ جب عورت کو گھر کی پناہ گاہ سے نہیں نکالا جاتا بلکہ اس سے بھی تھوڑا پیچھے سے بات شروع کی جائے تو زیادہ مناسب ہو گا کیا جب لڑکی کے پیدا ہوتے ہی اسے زندہ دفن کر دیا جاتا تھا وہ عورت کا صحیح مقام تھا؟ یا پھر اسے وراثت میں حصہ نہیں دیا جاتا تھا وہ اس کا صحیح مقام تھا؟ نکاح اور طلاق کے لیے جب کوئی اصول نہ تھا ہر بالادست اپنی مرضی سے جتنی چاہے شادیاں کر لیتا اور پہلی بیویوں کا کوئی پرسان حال نہ ہوتا وہ عورت کا صحیح مقام تھا، قطعاً نہیں، گزشتہ ادوار میں عورت کے لیے جو اصول و قواعد تھے وہ بالکل غیر عقلی اور ظالمانہ تھے۔

اسلام دین فطرت ہے اور حضرت محمدؐ کے ظہور کے ساتھ جہاں اور بہت سی برائیوں کا سد باب ہوا وہیں عورت کے صحیح مقام کا بھی تعین ہوا اور اخلاقی اور معاشرتی طور پر جو احکامات مقرر کئے گئے وہ بہت منظم اور مساوات پر زور دیتے نظر آتے ہیں، اسلام نے آہستہ آہستہ عورت کی عظمت پر زور دیا اور اسے جاہلیت سے نکال کر اعتدال پسند آزادی دی۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی تخلیق کے اعتبار سے عورت بھی مرد کی طرح مکمل بنائی ہے، ان دونوں میں ظاہری طور پر کوئی بھی فرق نہیں ہے۔ نہ ہی ایک کو دوسرے پر فوقیت ہے ہاں تقوی اور پرہیز گاری کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی نظر میں اعلیٰ مقام حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اسلام کی نظر میں وہی شخص محترم اور قابل تعظیم ہے جس کا اخلاق اچھا ہو اور اوصاف حمیدہ کا مالک ہو۔

رسولؐ کے دور میں جہاں پوری زندگی کے لیے ضابطہ حیات ملا وہیں عورت کو بھی صدیوں سے مرد کی غلامی اور اس کے جبر واستبداد سے چھٹکارا ملا بیٹیاں جن کی پیدائش کو منحوس قرار دیا جاتا تھا اب اسلامی حیثیت سے والدین پر یہ واجب ہوا کہ وہ بیٹی کو اپنی تہذیب و تربیت سے آراستہ کریں جیسا کہ لڑکوں کی کرتے ہیں کیونکہ اس معاملے میں ان دونوں میں کوئی فرق نہیں دورِ رسالت میں عورت کو وہ تمام حقوق حاصل ہوئے جن سے وہ صدیوں سے محروم تھی۔ عبدالحلیم ابو شقہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ''دور رسالت میں زندگی کی ضروریات اور حالات کے لحاظ سے سماجی و سیاسی سرگرمی اور ملازمت اور کاموں میں عورت شریک رہی ہے۔ سماجی سرگرمی کے میدان میں دیکھا جائے تو تعلیم و تربیت رفاہی کاموں اور سماجی خدمات اور پاکیزہ تفریح جیسے متعدد میدانوں میں عورت کی شرکت پائی گئی ہے۔ سیاسی سرگرمیوں کے میدان میں آیئے تو عورت نے معاشرہ اور حکومت وقت کے عقیدے کی مخالفت کی ہے اور اپنے عقیدہ کی راہ میں ظلم و تعذیب سے دوچار ہوتے ہوئے ہجرت پر مجبور ہوئی ہے..... ملازمت و کام کے میدان میں گلہ بانی، کھیتی، گھریلو صنعتیں، تنظیم، علاج و تیمارداری، صفائی و ستھرائی اور گھریلو خدمات کے کاموں میں وہ شریک رہی ہیں، اس سے دو اہم فوائد ایسے حاصل ہوتے رہے ہیں، ایک گھر کے سرپرست کی عدم موجودگی یا اس کی تنگدستی و غربت کی صورت میں اپنے اور اپنے خاندان کے لیے شریفانہ زندگی کی فراہمی اور دوسرے اپنے کسب و عمل نے ذریعہ اللہ کی راہ میں صدقہ وغیرہ خرچ کر کے اپنے لیے بلند مقامی کا حصول''۔ (۳)

اس قتباس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ عورت کو دورِ رسالت میں تمام مراعات اور حقوق حاصل ہوئے جو دور جاہلیت میں اسے حاصل نہیں تھے۔ عورت کی شمولیت کا احساس زندگی کے تمام شعبوں میں کیا جانے لگا، تو جس شخص نے قرآنی تعلیمات کو سمجھا ہو اور گہرائی سے اس کا مطالعہ کیا ہو۔ اس پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مذہب اسلام نے عورتوں کی سیاسی، سماجی اور ازدواجی زندگی کو بہت بلند کیا اور مرد و عورت دونوں کو مساوی قرار دیا، اگر مرد کو طلاق کا حق دیا تو عورت کو بھی خلع کا حق دیا، زانی اور زانیہ دونوں کے لیے برابر سزا رکھی، عورت کا مہر مقرر کیا اسلام نے اگر عورت کو پردے کا حکم دیا تو ساتھ ہی ساتھ مرد کو بھی نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا۔

یہ ٹھیک ہے کہ عورت زندگی کے تمام شعبوں میں ترقی کر رہی ہے لیکن کسی حد تک یہ درست ہے کہ وہ کئی الجھنوں اور مسائل کا بھی شکار ہے، عورت کو سیاسی، سماجی اور معاشی حقوق تو کافی حد تک حاصل ہو چکے ہیں مگر وہ آزاد ہوتے ہوئے بھی غلامی کی زندگی گزار رہی ہیں اور اب وہ لوگ جو عورت کی ملازمت یا پھر اس کے لباس پر باتیں کرتے ہیں ان کے لیے شروع سے ہی ضروری تھا کہ عورت کو ایک حد تک آزادی دی جاتی اور اس کو دبایا نہ جاتا تاکہ اس کی عزت و عصمت بھی محفوظ رہتی اور اسے احساس کمتری بھی نہ ہوتا، اگر قدیم معاشرے میں مرد نے عورت پر

ظلم نہ ڈھائے ہوتے اور اس کے حقوق نہ سلب کئے ہوتے تو شاید آج عورت اپنی آزادی کا جشن نہ مناتی جو باغیانہ روشن عورت نے اب اپنائی ہے کہ مرد کی ان زیادتیوں کا انتقام ہے جو ماضی میں اس نے روا رکھیں، افسوس اس بات کا ہے کہ عورت آج بھی مظلوم ہے، دہری ذمہ داریوں کے بوجھ تلے دبی ہوئی ہے، آج بھی غیرت کے نام پہ قتل کر دی جاتی ہے، عورت اپنے حقوق کے لیے جہاد تو جاری رکھے ہوئے ہے مگر آج بھی زنا بالجبر کے واقعات رونما ہو رہے ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ قدیم دور میں مرد عورت کے ساتھ وحشیانہ سلوک کرتا تھا، یعنی عورت پر براہ راست ظلم ہوتا تھا مگر آج کا مرد بڑے مہذب طریقے سے یہ ظلم روا رکھے ہوئے ہے، اردو کے ادبی رسالہ ''شاعر'' کے مدیر جناب افتخار امام صدیقی نے دورِ حاضر میں عورت ذات کی حیثیت کو بڑے پر اثر الفاظ میں بیان کیا ہے:

> ''اس وقت پوری دنیا میں عورت، ماضی ہی کی طرح پریشان حال اور ستائی ہوئی نت نئے مسائل کے جنگل میں بھٹک رہی ہے، آزادی نسواں کے نام پر عورت کے بدن کو سورج کی بجائے چاند کی طرح کھلی آنکھوں سے دیکھنے والا آدمی یہ بھول جاتا ہے کہ اس کے گھر میں بھی مقدس رشتوں میں سجے کئی عمروں کے بدن موجود ہیں تو کیا کوئی غیرت مند یہ چاہے گا کہ مقدس رشتے سڑکوں پر ہمہ وقت صیلے ہوتے رہیں''۔ (۴)

عورت آج بھی مرد سماج کے شکنجے میں جکڑی ہوئی ہے اس کی بنیادی وجوہ مذہب کی تعلیمات اور تہذیب کا فرق ہیں، ہر فلک کا اپنا الگ کلچر ہوتا ہے جو کسی دوسرے ملک جیسا نہیں ہوتا پاکستانی تہذیب کچھ اور ہے اور مغربی تہذیب کچھ اور اس کی مثال یوں ہے کہ کچھ کام ایسے ہیں جو مغربی کلچر کے مطابق پسندیدہ سمجھے جاتے ہیں اور پاکستانی کلچر کے مطابق وہی کام ناپسندیدہ ہوتے ہیں مغرب میں ایک عورت کا اپنی تعلیم یا نوکری یا اپنے کسی بھی کام کے لیے اکیلے باہر جانا کوئی حیرت کی بات نہیں ہے بلکہ یہ ایک احسن عمل ہے جبکہ پاکستان میں اکیلی عورت کا گھر سے باہر نکلنا معیوب سمجھا جاتا ہے اور شہروں میں اگر وہ تعلیم یا نوکری کے لیے اکیلی باہر جاتی بھی ہے تو کچھ حد تک تو بُرا مانا جاتا ہے مگر کافی حد تک قبول کر لیا جاتا ہے جبکہ دیہاتوں میں صورت حال متضاد ہے تعلیم اول تو عورت کے لیے شجر ممنوعہ ہے اور اگر کسی طرح کر کرا کے عورت اپنے آپ کو زیور تعلیم سے آراستہ کر بھی لے تو نوکری کرنے میں بے شمار مسائل کا سامنا ہے اس طرح کی عورت کو آزاد خیال اور دوسرے لفظوں میں آوارہ کا خطاب دیا جاتا ہے اور اپنی گھریلو عورتوں کو بھی اس کی محبت سے دور رہنے کی تلقین کی جاتی ہے تاکہ وہ عورتیں بھی اس کی دیکھا دیکھی خراب نہ ہو جائیں دوسرے لفظوں میں کہا جا سکتا ہے کہ ابھی تک بھی کوششیں جاری ہیں کہ عورت کو اپنی ذات کا شعور حاصل نہ ہو جائے تاکہ کہیں وہ مرد سے اپنے حقوق کے مطالبے کے لیے اٹھ کھڑی نہ ہو۔

اگرچہ اہل قلم خواتین نے عورت کی ازلی محرومی، اس کے جنسی مسائل، شادی، طلاق، بچے کی پیدائش اور پرورش، مرد کی زیادتیاں، سرساس اور خاندان کے افراد کے ساتھ اس کا جذبہ خدمت، جہیز، بے بنیاد رسم رواج، ماں باپ کی محبت اور وطن کی یادوں کے علاوہ دہری ذمہ داریوں میں اس کا ٹوٹتا بکھرتا وجود، ماحول اور معاشرے میں پائی جانے والی برائیاں اور بالخصوص طوائف کی زندگی ایسے موضوعات ہیں جنہیں خواتین ادیبوں نے موضوع بنایا ہے، معاصر عالمی تانیثی ادب بہت حد تک خواتین کے جذبات واحساسات کی نمائندگی کرتا ہے۔

برّصغیر کی آزادی کی جدوجہد میں خواتین نے کس قدر حصہ لیا۔ اس کا بیان خدیجہ مستور کے ''آنگن'' اور نشا عزیز بٹ کے ''نے چراغ نے گلے'' میں بہت خوبصورتی سے کیا گیا ہے اردو افسانے اور تنقید دونوں میں اولیں نام ممتاز شریں کا ہے۔

جمیلہ ہاشمی نے غیر منقسم پنجاب کی معاشرتی صورت حال کو بیان کیا اور پاکستان میں کس طرح لڑکیوں نے پڑھ لکھ کر سکولوں اور کالجوں میں پڑھانا شروع کیا اس کا احوال سندھ میں خیر النسا جعفری نے کے پی کے میں ڈاکٹر انور تاج نے بلوچستان میں یاسمین مری نے اور پنجابی میں فرخندہ لودھی نے جبکہ اردو میں الطاف فاطمہ نے بیان کیا ہے، فلسفہ مغرب اور مشرق کے ادب اور دہری ذمہ داری اٹھانے والی عورت کو زاہدہ حنا اور خالدہ حسین نے وہ سارے راز بتائے جو ظاہری طور پر کچھ اور باطنی طور پر کچھ اس مردانہ معاشرے میں رائج ہیں، شاعری کے میدان میں ادا جعفری، کشور ناہید اور فہمیدہ ریاض کی نظموں نے تہلکہ مچادیا۔ پروین شاکر، عشرت آفرین اور فاطمہ حسن نے بھی عورت کے ساتھ ہونے والے مظالم کو شعروں میں بیان کیا مگر نتیجہ کیا ہوا ان کو باغی عورتیں قرار دیا گیا اور ان کے لیے تضحیک آمیز رویے سامنے آئے، ان کو مغرب زدہ کہا گیا اور ان کے لباس کو موضوع گفتگو بنایا گیا، یہ سوچے بغیر کہ وہی لباس نام نہاد عزت دار گھرانوں اور معاشی طور پر مستحکم گھرانوں میں بھی اب پہنے جاتے ہیں، یہ سب وہی خواتین ہیں جن کی وجہ سے ''ویف (Women Action Forum)'' بنی۔ یہ ہی ویف تھی جس کے پریشر سے خواتین کی وزارت بنائی گئی یہ ویف ہی تھی جس نے جنسی ہراسانی کے خلاف قانون بنوایا۔ بچوں کی کتابوں میں نصاب کی تبدیلیاں کرائیں۔ جس نے نوجوان لڑکیوں کو شعر کہنے، سوال کرنے اور موجودہ سیاسی صورت حال کا تجزیہ کرنے کا شعور دیا۔ خواتین کی یہ جدوجہد چند سالوں کا مرحلہ نہیں ہے۔ معاشرے کو ذہنی طور پر بدلنے کے لیے صحافتی سطح پر ریحانہ کلیم اور شیری رحمن سامنے آئیں۔ وکالت اور انسانی حقوق کی سطح پر عاصمہ جہانگیر، حنا ربانی اور ماجدہ سامنے آئیں۔ افسانوں کی سطح پر رشید النساء سے شروع ہو کر عصمت چغتائی، قراۃ العین حیدر اور زاہدہ حنا تک سلسلہ جاتا ہے، ہمیں اپنی عورت کو باشعور بنانے کے لیے کام کرنا ہوگا کیونکہ حقوق سے آگاہ مائیں ہی اچھی اولاد کی ضامن ہیں۔

تانیثیت مخالفین کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ آزاد خواتین اپنی پسند کی زندگی کا انتخاب کرتی ہیں اور پسند کی شادی کر لیتی ہیں اور پھر خاندان والوں کی عزت خاک میں ملاتی ہیں تو سوال یہ ہے کہ جس مذہب کو بنیاد بنا کر آپ لوگ عورت کی بے پردگی کی بات کرتے ہیں کیا اس مذہب میں عورت کی مرضی کے بغیر زبردستی اس کا نکاح کر دینا جائز ہے؟ عورت کو جاگیر سمجھ لیا جاتا ہے اور نابالغ لڑکیوں کی شادی کر دی جاتی ہے کیا یہ سب مذہب کی رو سے جائز ہے؟ یقیناً نہیں لیکن افسوس یہ ہے کہ مذہب کے نام پر ایسی مایوس کن صورت حال پیدا کر دی گئی ہے کہ عورت آزاد ہوتے ہوئے بھی غلام ہے، پسند کی شادی کی راہ میں اتنی رکاوٹیں اس کو باغی بنا دیتی ہیں اور وہ یا تو بدکاری کی طرف مائل ہو جاتی ہے یا پھر کورٹ میرج کو ترجیح دیتی ہے، لیکن بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی شادی اور بچوں کے ہو جانے کے بعد بھی اگر وہ والدین سے معافی طلب کرنے جاتی ہے تو بچوں سمیت اس کا قتل کر دیا جاتا ہے اور کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا۔

خواتین ادیبوں نے ان تمام موضوعات پر قلم اٹھایا مگر جہاں تک مرد ادیبوں کی بات ہے، انہوں نے یہاں بھی عورت کو ذلیل کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی اس سلسلے میں فہمیدہ ریاض لکھتی ہیں:

> ''اردو یا جدید اردو ادب میں تصور زن کی رد تشکیل کی ضرورت آخر ہمیں کیوں پیش آئی ہے ایک بڑا ادیب عورت کو اور عورت اور مرد کے تعلقات کو اور معاشرے میں عورت کے کردار کو جب پیش کرتا ہے تو اس کی ان گنت پیچیدگیاں اور رنگ صفحہ قرطاس پر اتار سکتا ہے اور ایسا ادیبوں نے کیا بھی ہے، اس کے لیے یہ قطعی ضروری نہیں کہ وہ عورت کو ایک فرشتہ بنا کر پیش کرے عورت انسان کا ہی روپ ہے اور اس میں تمام نیک و بد انسانی اوصاف موجود ہوتے ہیں، کوئی عورت چالاک و مکار بھی ہو سکتی ہے اور پر خلوص اور نیک بھی عورت ذات میں بھی مصلحت کوشی اور بزدلی کے امکانات اسی طرح موجود ہیں (جس طرح یہ امکانات اچھوتوں، سیاہ فاموں اور مغلوب نسلوں کے باشندوں میں موجود ہوتے ہیں) افسوس تو اس وقت ہوتا ہے جب عورت کی جانب بعض بڑے اہم ادیبوں کی نگاہوں میں بھی صرف تاریکی سمائے، وہ صرف اس کا جسم اور بایولوجی دیکھ سکیں اور اس میں چھپے ہوئے'' انسان تک ان کی نظر کبھی پہنچ ہی نہ پائے''۔ (۵)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ادب میں بھی مردوں نے عورت کو بحیثیت انسان تسلیم کرنے میں پس و پیش سے کام لیا ہے، عزیز احمد کے ناولوں میں عورت کے اندر خود اعتمادی، عزت نفس اور تصادم کی صلاحیت قطعی بے معنی ہے، یعنی جس عورت کے اندر سربلندی، وقار اور کرداری قوت ہو اس کو تباہ کرنا عین ثواب ہے، وہ عورت اور مرد کے درمیان فاتح اور مفتوح کا رشتہ قائم کرتے نظر آتے ہیں اس کی مثال ان کے ناول ''گریز'' میں ملتی ہے، عزیز احمد کے ہیرو مغرب و مشرق کی عورت کو محبوبہ اور بیوی کی حیثیت میں قبول کرنے کے لیے اس کی عفت و عصمت کو ٹھوک بجا کر

دیکھنا چاہتے ہیں مگر اپنے اوپر اس طرح کی کوئی قید روا نہیں رکھتے، شائد اس لیے کہ مرد کا کوئی ناموس نہیں ہوتا اور نہ ہی عفت و پاکیزگی اس کی قیمت بڑھاتی ہے۔

اس طرح ممتاز مفتی بھی Anti Feminist ادیب ہیں ان کے افسانوں سے عورت کے بارے میں جو خیالات ملتے ہیں ان کو تنویر انجم نے یوں بیان کیا ہے۔

''عورت اپنی جنسی خواہش کی اسیر ہے، وہ کسی بھی سماجی گروہ سے تعلق رکھتی ہو وہ اپنی جنسی خواہش کی تکمیل کے لیے رشتوں کو بالائے طاق رکھ کر معاشرے کی مروجہ اخلاقیات کو توڑ سکتی ہے۔ اس طرح وہ معاشرے کے لیے ایک خطرہ ہے اس کی اپنے جسم کی اسیری اتنی شدید ہے کہ وہ ایک معلمہ سے جو معاشرے کی خالق اور معاشرے کی اقدار کو پروان چڑھانے کی ذمہ دار ہوتی ہے، طوائف بن سکتی ہے، جسمانی لذت کے جوار بھاٹے کے آگے کوئی سماجی رشتہ یا مرتبہ اس کے لیے اہمیت نہیں رکھتا، یعنی وہ ایک حیوان سے مثالیہ ہے، جس کی زندگی جنس اور Procreation کے دائرے میں گھومتی ہے وہ اپنی جسمانی ساخت کی وجہ سے جسمانی تلذذ کے حصول کے لیے زبردست اور مفعول رہنے پر مجبور ہے''۔ (۶)

اس سے پتہ چلتا ہے مردوں نے عورت پر جو بھی لکھا ہے وہ متعصّب ہو کر لکھا ہے، اس کو کمتر ثابت کرنے کے لیے لکھا ہے، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ کوئی معاشرتی جبر تھا جس کے تحت مردوں نے ایسا کیا یا وہ ڈر گئے تھے کہ اگر ادب میں عورت کو قابل عزت مقام دے دیا گیا تو اس سے مرد کے مقام و مرتبے میں کسی طرح کی کوئی کمی ہو جائے گی، پورے اردو ادب میں عورت Defocused ہے، کہیں وہ پائوں کی جوتی ہے تو کہیں خوابوں میں نظر آنے والی ماورائی مخلوق، گویا اردو ادب میں عورت کو ایک ہی نظر سے دیکھا گیا ہے اور وہ ہے جسم کا رشتہ، وہ لباس پہنے ہوئے بھی برہنہ ہے، ماں، بہن اور بیٹی کے کرداروں میں تھوڑی بہت عزت اس کے حصے میں آئی ہے مگر محبوبہ اور بیوی بن کر صرف ذلتیں اس کا مقدر ٹھہری اور اسے وہ مقام نہ ملا جو اس کا حق تھا۔

اشفاق احمد کا شمار بھی Anti Feminist ادیبوں میں ہوتا ہے، اس بارے میں نیلم حسین لکھتی ہیں:

''اشفاق احمد کے زیادہ تر ڈراموں میں عورت کے لیے حقارت کا عنصر موجود ہے اور ان ڈراموں کے آخر میں عورت کی شکست اور ذلت ہوتی ہے، سلسلہ وار کھیل ''توانائی'' کی ایک قسط ''دوسری کہانی'' میں ایک خود سر، مضبوط اور حکم چلانے والی بیوی کی عکاسی کی گئی ہے۔ اس ڈرامے میں اشفاق احمد عورت کی بے لگام انا کے نتیجے میں ہونے والے نتائج سے خبردار کرتے ہیں، اس ڈرامے میں ایک عورت دنیاوی اور مادی مقاصد حاصل کرنے کی غرض سے اپنے شوہر اور بیٹے کو ناراض کر لیتی ہے، اس عکاسی سے جو ایک اور پیغام سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ عورتیں ہی مردوں کی بدعنوانیوں، اخلاقی پستی اور دکھ کی ذمہ دار ہوتی ہیں''۔ (۷)

اگرچہ بہت بڑے ادیبوں نے عورت کا وجود بحیثیت انسان ماننے سے انکار کیا ہے تاہم چند ایسے ادیب بھی ہیں جنہوں نے اس اندرونی کرب کو سمجھا اور اس کو انسانیت کی کسوٹی پر پرکھا لیکن ایسے ادیبوں کی تعداد کم ہے، ان ادیبوں میں سعادت حسن منٹو کا نام بہت اہم ہے، منٹو کے افسانوں میں عورت کے تین روپ ملتے ہیں گائوں کی گوری، شہر کی شوخ اور متوسط طبقے کی لڑکی اور مرد کی ہوس کا شکار مظلوم عورت، منٹو کے افسانوں میں عورت کا جو تصور ہے اس بارے میں نجمہ منظور لکھتی ہیں:

> ''منٹو کا فنکارانہ خیال یہ ہے کہ وہ آپ کو اپنی '' نصیحت'' کی ہوا بھی نہیں لگنے دیتا اور آپ کے ذہن اور ضمیر کو بیدار کئے جاتا ہے، عورت بھی سماج کی ایک ایسی اکائی ہے جو تذلیل کا شکار رہی ہے اور جسے منٹو نے اپنی کہانیوں کی صورت میں ہمدردی اور یک جہتی کا عطر بیز گلدستہ پیش کیا ہے، اسی لیے ہم خواتین اسے پختہ فیمنسٹ مانتی ہیں، اس نے طوائف کا کردار اٹھایا جس کے سر پر مامتا اور ستی ساوتری ہونے کا تاج بھی نہیں اور قاری کو عورت کی انسانیت سے آشنا کیا، گھریلو عورت کے کردار اور طوائف دونوں میں اس نے وہ خصوصیات پیش کی ہیں جنہیں عورت کے ساتھ منسلک نہیں کیا جا سکتا، مثلاً عزم، اپنی مرضی کی قدر، ہر حال میں خوش نہ رہنا اور سب سے بڑھ کر ہنسنے کی صلاحیت''۔ (۸)

منٹو کا ذہن حقیقت پسند تھا، منٹو کا رویہ عورت کی جانب احترام کا ہے، منٹو ہمیں اس دور میں Feminist نظر آتا ہے جب کہ Feminism کی اصطلاح ایجاد بھی نہیں ہوئی تھی، منٹو نے عورت کو ایک انسان سمجھا اور اسی طرح پیش کیا۔

ادب میں اگرچہ مرد حضرات کے تانیثیت مخالف رویے سامنے آئے ہیں تاہم اس کی کچھ وجوہات بھی ضرور رہی ہونگی اگر عمیق نظر سے جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ وجوہات بہت حد تک ذاتی ہیں کیونکہ مرد ایک احساس برتری اور تفاخر کے احساس کے ساتھ جیتا ہے بچپن سے ہی ہمارے معاشرے میں اسے برتری حاصل رہی ہے یہاں پر تو بیٹی پیدا کرنے والی ماں کو طلاق دے دی جاتی ہے اور عورت بذات خود عورت ہوتے ہوئے بھی جب تخلیقی مراحل سے دور ہو جاتی ہے تو اسی معاشرتی جبر کے ہاتھوں مجبور ہو کر دن رات یہ دعائیں کرتی ہیں کہ اس کے گھر بیٹا پیدا ہو اور بیٹے کی پیدائش کے بعد اس کی گردن اکڑ جاتی ہے کہ اب اس نے بھی معاشرے میں اعلیٰ درجہ حاصل کر لیا ہے، مرد کو بچپن ہی سے نہایت اہمیت دی جاتی ہے گھر میں ماں اسے ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھتی ہے اور وہ خاندان بھر کی آنکھوں کا تارا ہوتا ہے، بہنوں کو بچپن ہی سے یہ سکھایا جاتا ہے کہ بھائی کی عزت کرو، اچھی چیز اس کے لیے بچا کر رکھو اور اس کے تمام حکم مانو، تعلیم اور دیگر ضروریات زندگی میں بھی اسی کو ترجیح دی جاتی ہے، اس کے بعد کوشش کی جاتی ہے کہ اس کے لیے ایک تابعدار اور خدمت گذار بیوی تلاش کی جائے لیکن یہیں سے فساد شروع ہوتا ہے اور معاشرے کی

منافقانہ سوچ کھل کر سامنے آتی ہے کیونکہ لوگ تقاضہ یہ کرتے ہیں کہ عورت پڑھی لکھی ہو، اگر کہیں نوکری کرتی ہے تو زیادہ اچھا بیٹے کا آدھا بوجھ بانٹا جائے گا مگر وہ تقاضہ یہ کرتے ہیں کہ وہ عورت اپنے حقوق سے ناآشنا ہو، اگر اپنے حقوق سے آگاہ بھی ہے تو چپ رہے اور مرد کی ہاں میں ہاں ملاتی جائے، کس قدر منافقانہ روپ ہے یہ معاشرے کا کہ عورت جب تک آپ کی ہاں میں ہاں ملائے وہ اچھی ہے، اگر وہ اپنے شوہر کی پسند کے کپڑے پہنے اس کے چاہنے پہ کسی سے راہ و رسم رکھے اور اس کے منع کرنے پر اپنے سگوں کو بھی چھوڑ دے تو وہ اچھی ہے لیکن اگر وہ اپنی عقل کے مطابق چلنے کی خواہش کا اظہار کرے تو وہ بری ہے یہ ہی وہ معیار ہے جس پر عورت مرد کو پرکھتا ہے۔

ادب میں عورت کے وجود کو تسلیم نہ کرنے کی بنیادی وجہ یہ ہی تھی کیونکہ مرد کو یہ لگتا ہے کہ اگر عورت پڑھ لکھ گئی اور اپنے حقوق سے آشنا ہو گئی تو وہ اس کی دسترس سے نکل جائے گی، یہی وجہ ہے کہ یا تو علم کے دروازے عورت کے لیے بند رہتے ہیں اور اگر کھلے بھی ہوں تو ملازمت کے چنائو میں اس سے کہا جاتا ہے کہ Teaching اچھی ہے کیونکہ اس میں عورت کا میل جول مردوں سے نہیں ہو گا، نیز ڈیوٹی کا دورانیہ بھی کم ہے، پڑھی لکھی اور باشعور عورت کو مرد اپنے لیے خطرے کی گھنٹی سمجھتا ہے، ملازمت پیشہ عورت کو سخت دل اور بے حس سمجھا جاتا ہے، جو اپنے بچوں کو مامتا کی تسکین سے محروم رکھتی ہے، اس کی ملازمت کی وجہ سے گھر کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے، خاندان مواقع پہ اپنے آپ کو مظلوم اور مجبور ظاہر کرتا ہے۔ یہی وہ ذاتی وجوہات ہیں جن کی بنا پر مرد ادیب تانیثیت کی مخالفت میں سرگرداں نظر آتے ہیں اور عورت پر بھی معاشرتی دبائو کسی نہ کسی صورت میں ان پر ڈالتا ہے جس کا تصور پدرسری معاشرے نے ان کے ذہنوں میں راسخ کر دیا ہے، اردو ادب میں بہت سی خواتین بھی ایسی ہیں جو کہ Anti Feminist ہیں کیونکہ وہ بھی اسی عورت کو اچھی عورت قرار دیتی ہیں جو کہ روایتی پیمانوں اور اقتدار کے مطابق زندگی بسر کرتی ہیں، ان میں رضیہ بٹ اور بشریٰ رحمن کے نام قابل ذکر ہیں، ان کے ناولوں میں گھریلو عورت کا تصور وہی پیش کیا گیا ہے جو کہ مرد اساس معاشرے کی پسندیدہ عورت کا تصور ہے، وہی عورت جو اپنے اوپر ہونے والی زیادتیوں پہ چپ رہتی وہی جو مرد کی تابعدار ہے اس کی ہاں میں ہاں ملانے والی اور اس کی خوشی کی خاطر اپنی خواہشات کا گلا گھونٹ دینے والی، اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ تانیثیت مخالف رویے صرف مردوں کے ہی نہیں بلکہ بعض خواتین ادیب بھی اس میں پیش پیش ہیں اور یہ رویے کافی حد تک معاشرتی دبائو کا نتیجہ ہیں اور کچھ حد تک ذہنی اور ذاتی وجوہات کا بھی نتیجہ ہیں۔

تانیثیت مخالف روّیوں کے برعکس ان حقائق کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے کہ عورت کی مظلومیت کی داستان بہت طویل ہے۔ اسے غلامی کے جبر سے گزرنا پڑا اور کئی نسلیں اس ظلم و استبداد کا شکار رہیں۔ تمام مذاہب کے

علمبرداروں، سنجیدہ فکر دانشوروں اور دنیا بھر کے فلاسفروں نے عورت کی آزادی اور بحیثیت انسان اس کے یکساں حقوق اور سماجی انصاف کو بالاتر قرار دیا اور اس کی اہمیت فکر اور فلسفے کی حد تک تسلیم کی گئی۔ مگر یہ بات بڑے افسوس سے کہنا پڑتی ہے کہ یہ امر محض گفت و شنید، کانفرنسوں، سیمینار کی تقاریب تک محدود رکھا اور جن افراد نے بھی عورت کے حقوق کی بات کی ان پر طرح طرح کے اخلاقی اور سماجی بے راہروی کے الزامات لگا کر انہیں ذلیل ورسوا کیا گیا۔ دانشوروں کو پاگل قرار دیا۔ فلاسفرز کو قید و بند کی صعوبتوں سے گزرنا پڑا اور آزادی پسند خواتین کی جدوجہد کو بے راہروی اور بے شرمی قرار دیا گیا۔ معزز گھرانوں کی بہو، بیٹیوں کو طرح طرح کے Scandles میں ملوث کیا گیا۔ ان کی گھریلو زندگی کو تہہ و بالا کرنے کے لیے طاقت استعمال کی گئی اور انہیں آزادی کی جدوجہد اور فکر کے اظہار کے لیے بے بس نڈھال کر دینے کی ہر کوشش کی گئی۔ اس لیے اس حقیقت کو بالغ نظری سے دیکھنے اور تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے کہ بنی نوع انسان ہوتے ہوئے عورت کو باندی اور غلام بنا کر رکھنے کی جابرانہ خواہش اور غیر اخلاقی، غیر منطقی ہتھکنڈے کیوں اختیار کیے گئے اور آج تک کیے جا رہے ہیں۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ لیلیٰ احمد، ''عورت جنسی تفریق اور اسلام''، (مترجم خلیل احمد)، مشعل، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص۹

۲۔ نعیم صدیقی ''عورت معرض کشمکش میں''، لاہور، مکتبہ جدید پریس، ۱۹۹۳ء، ص ۶۰

۳۔ ''عورت: عہد رسالت میں''، قاضی پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹر، نئی دہلی، ۱۹۹۹ء، ص ۵۳

۴۔ ''شاعر''، ممبئی شمارہ: ۳، مارچ ۲۰۰۷ء، صفحہ ۲

۵۔ فہمیدہ ریاض، ''ادب کی نسائی رد تشکیل''، کراچی، وعدہ کتاب گھر، ۲۰۰۲ء، ص ۱۱

۶۔ ''مفتیانے اور عورت''، مضمون، مشمولہ: ''ادب کی نسائی رد تشکیل''، وعدہ کتاب گھر، ۱۹۹۶ء، ص ۹۵

۷۔ ''ٹی وی ڈرامے اور اشفاق احمد''، مضمون، مشمولہ: ''ادب کی نسائی رد تشکیل''، کراچی، وعدہ کتاب گھر، ۲۰۰۲ء، ص ۱۳۲

۸۔ ''منٹو عورت اور وارث علوی''، مضمون، مشمولہ: ''ادب کی نسائی رد تشکیل''، کراچی، وعدہ کتاب گھر، ۲۰۰۲ء، ص ۶۳